نظم ونثر کی تاریخی اور تنقیدی حیثیت

از جناب جوہر صاحب نظامی

خدا بخش اورنٹیل لائبریری پٹنہ

عظیم آباد جس نے اجڑی ہوئی دلی کو نیا جنم دیا تھا ظاہر بینوں کیلئے صرف سیاسی اور تجارتی گرم بازاری کی ایک منڈی ہے لیکن اہل نظر کے نزدیک قدیم زمانہ سے علم وفن اور شعر وادب کا ایک بڑا مرکز رہا ہے بالخصوص مشرقی علم وفن کی ترقی ونشوونما کا بہت بڑا گہوارہ رہ چکا ہے۔

بیدل وراسخ ہی کے زمانہ سے شعر وشاعری کا چرچہ پھیلا اور اب تک یہاں کے لطیف الخیال اور خوش مذاق لوگ اس باوٴ کہن کے نشہ میں مخمور نظر آتے ہیں، اس وقت اُردو زبان وادب کی خدمت کا جو ولولہ اور جوش وخروش یہاں کے لوگوں میں پایا جاتا ہے وہ اس قدیم زمانہ کی یادگار ہے۔

لیکن مدت سے ہمارے ملک اور ہماری انشاء پر نظم ونثر کے بادل چھائے ہوئے ہیں ان کے پھٹنے اور چھٹنے میں زمانہ کا ہاتھ بیکار ثابت ہوا ہے۔ جس بابرکت سرزمین نے حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ، مولانا شبلی، مولانا سلیمان ندوی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالماجد دریاآبادی، اقبال اور ٹیگور سے معنی آفریں اور نغمہ خواں پیدا کئے ہوں، قوم کو چونکا دینے والے، دلوں کو ہلا دینے والے انسان جس خاک پاک سے اُٹھے ہوں بے شبہ وہ تمام فخر ومباہات کی مستحق ومجاز ہے، مگر شکوہ یہ ہے کہ ہمارے تذکرے نویس بلکہ بعض اوقات دعویداران تاریخ نگاری بھی سخن سازی اور صوبائی عصبیت کی رَو میں بہت کچھ بھول جاتے ہیں، میں کسی تذکرہ نویس یا مؤرخ کا نام لیکر گنہگار بننا نہیں چاہتا آپ خود ان تذکروں کو ملاحظہ فرمایئے اور فیصلہ کیجئے کہ بہار نے بنگال اور دوسرے صوبوں کے ادیبوں اور شاعروں کے ساتھ ان کا عمل کیا رہا ہے۔؟

بہرحال اس وقت اُردو ادب کی جس صنف کے متعلق اظہارِ خیال کرتا ہے اس پر ابتک اُردو زبان میں بہت کم لکھا گیا ہے۔ نظم کے باب میں تاریخی اور تنقیدی حیثیت سے کافی ادبی سرمایہ موجود ہے لیکن نثر کے ترکیبی اجزاء کے متعلق اب تک اردو زبان میں کوئی مستند لٹریچر موجود نہیں ہے۔ حالانکہ اگر نثر کے حسن و قبیح اور عیب و ہنر سے علمی اصول کے مطابق بحث کی جائے تو عربی علم و ادب کی کتابوں میں اس قدر کافی مواد موجود ہے کہ اس پر ایک مستقل کتاب لکھی جا سکتی ہے لیکن یہ کام کسی فکر معاش سے آزاد اور صاحبِ بصیرت محققِ اُردو کا ہے، یہاں اصولاً چند ادبی نکات بیان کرنا چاہتا ہوں۔

اس سلسلہ میں پہلی بحث یہ ہے کہ نظم و نثر کی ادبی اور افادی حیثیت کیا ہے؟ اور اس حیثیت سے ان دونوں میں کس صنف کو ترجیح حاصل ہے؟ عام دستور تو یہی ہے کہ جو شخص جس موضوع پر کچھ لکھتا یا بولتا ہے خواہ مخواہ اس کے بہت سے فضائل و مناقب بیان کرتا ہے، خود تاریخ ادب اُردو لکھنے والوں کی اکثریت سے ایسی ادبی غلطیاں اور ناانصافیاں ہوئی ہیں، لیکن مجھے اس قسم کی سخن سازی کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ خود صاحبِ علم و ادب نے نثر کی جامعیت اور قطعیت کو ادبی حیثیت سے نظم پر ترجیح دی ہے اور دلیل یہ قائم کی ہے کہ نظم میں وزن اور قافیہ کی وجہ سے شاعر کو بعض غیر ضروری الفاظ بڑھانا پڑتے ہیں جن کو اصطلاح میں حشو کہتے ہیں، مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کرنا پڑتا ہے جس کا نام تعقید ہے، بعض اوقات فصیح الفاظ کے بجائے سبک اور غیر فصیح الفاظ بھی ضرورتِ شعر کی وجہ سے استعمال کرنے پڑتے ہیں اور وزن و قافیہ کی ان پابندیوں کا اثر معانی و مطالب پر پڑتا ہے کہ نظم میں معانی و مطالب الفاظ کے تابع ہو جاتے ہیں، حالانکہ اصولاً الفاظ کو معانی و مطالب کا تابع ہونا چاہیئے۔ لیکن نثر میں اس قسم کے لفظی تصرفات کی ضرورت نہیں واقع ہوتی ہے اس لئے نثر میں الفاظ معانی و مطالب کے تابع ہوتے ہیں جو اصل مقصود ہیں، اس دلیل کی تائید میں اہلِ ادب نے اس قسم کی بہت سی مثالیں جمع کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کبھی نثر کو نظم کے قالب میں ڈھالا گیا ہے تو غیر ضروری الفاظ بڑھ گئے ہیں، اس کے برخلاف جب کبھی نظم کو نثر کے قالب میں ڈھالا گیا ہے تو غیر ضروری الفاظ چھٹ گئے ہیں اور قدرتی طور پر کلام میں ایجاز و اختصار پیدا ہو گیا ہے اور عبارت اس سانچے میں ڈھل کر نکھر گئی ہے۔

ادبی حیثیت کے ساتھ ساتھ افادی پہلو سے بھی نثر کو نظم پر ترجیح حاصل ہے کیونکہ نظم میں زیادہ تر بحور،

حسن وعشق، مدح سرائی وچاپلوسی اور شراب وغیرہ کے مضامین بے تکلفانہ بیان کئے جاتے ہیں جو اخلاقی اور مذہبی اعتبار سے قابلِ اجتناب ہیں یہی وجہ ہے کہ کوئی پیغمبر آج تک شاعر نہیں ہوا۔ اہلِ عرب جن کے یہاں شاعری کو بڑی اہمیت حاصل ہے انہیں غیر اخلاقی مضامین کی وجہ سے شاعری کو متانت اور وقار کے مخالف سمجھتے تھے، چنانچہ عرب کے مشہور شاعر امرالقیس نے جو ایک بادشاہ کا لڑکا تھا جب اپنی بزم شراب میں ایک رندانہ شعر پڑھا تو اس کے باپ نے اس کو قتل کر دینا چاہا۔ اسی طرح کی اور بھی مثالیں ہیں۔

اس کے بخلاف نثر زیادہ تر علمی، اخلاقی، معاشرتی، تمدنی، سیاسی اور مذہبی مضامین پر مشتمل ہوتی ہے اور اس نے اس کا پایہ اس قدر بلند کر دیا ہے کہ وہ ایک پیغمبر کا معجزہ بن سکتی ہے۔

نظم کی مستی و سرشاری کا کیا کہنا اس میں ساحرانہ طاقتیں بھی پوشیدہ ہیں، بے پناہ لطافتیں بھی ہیں اور جذب و کشش بھی لیکن اس کو معجزانہ طاقت کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

نظم و نثر کے باہمی موازنہ اور نثر کے ترجیحی وجوہ بیان کرنے کے بعد ایک اہم ادبی بلکہ زیادہ علمی اور فلسفیانہ بحث یہ ہے کہ نثر کس کو کہتے ہیں؟ اور نثر کے معیاری چوکھٹے میں جو تصویر آویزاں ہے اس کے خدوخال کیسے ہیں؟ ایسا تو نہیں کہ فریم بڑا ہو اور تصویر چھوٹی، نثر کے حسن کی تعریف کیا ہے؟ عام طور پر کلام انسانی کی تقسیم دو صنف میں کی گئی ہے یعنی نظم و نثر، اس کے علاوہ بہ ظاہر کلام کی تیسری قسم نہیں ہے لیکن بعض صاحبِ فکر حضرات نے کلام کی ایک ایسی قسم کی طرف اشارہ کیا ہے جو نظم و نثر دونوں سے الگ ہے اور میں اس اشارہ کی توضیح کرنا چاہتا ہوں۔

پروفیسر سید محی الدین قادری زور نے اپنی کتاب روحِ تنقید میں دو شخصوں کا جو غالباً ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ فلسفی بھی تھے ایک مختصر سا مکالمہ نقل کیا ہے ان میں ایک سوال کرتا ہے۔

تو سوائے نظم اور نثر کے کوئی تیسری صورت ہے ہی نہیں؟

دوسرا جواب دیتا ہے ——— جی ہاں جو چیز نظم نہیں وہ نثر ہے جو نثر نہیں وہ نظم ہے۔

پہلا پھر پوچھتا ہے ——— اچھا، آدمی جو بولتا ہے وہ کیا چیز ہے؟

دوسرا نہایت متانت کے ساتھ جواب دیتا ہے ——— نثر!

اب پہلا طنز آمیز تعجب سے سوال کرتا ہے۔

ہائیں جب میں اپنے آدمی سے کہتا ہوں کہ ذرا سلیپر لانا اور میرا کنٹوپ دیدینا تو کیا یہ نثر ہوئی ؟

دوسرا پھر اسی متانت سے جواب دیتا ہے ——— جی ہاں !

پہلا پھر تعجب بلکہ تمسخر سے کہتا ہے۔

ارے میاں سچ کہتا یہ جو میں کچھ اوپر چالیس برس سے بولتا رہا ہوں یہ سب نثر تھی اور مجھے کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح ہر منظوم کلام شعر نہیں اسی طرح ہر غیر منظوم کلام نثر بھی نہیں، کیونکہ کلام، منثور کے لئے صرف غیر منظوم ہونا کافی نہیں بلکہ اہلِ ادب کے نزدیک اس کے لئے اور بھی بہت سے اجزاء کی ضرورت ہے۔

ادیبانہ نثر اگرچہ نظم نہیں ہے لیکن شاعری کے تمام اجزاء مثلاً سلاست، روانی، برجستگی، توازن، تشبیہ واستعارہ، صنائع وبدائع وغیرہ سب کے سب اس کا لازمی جزو ہیں اور ادیبانہ نثر کی بہترین کتابوں میں یہ اجزاء نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

جس طرح اعلیٰ درجہ کی ادیبانہ عبارت حدِ اعجاز کو پہنچکر نظم ونثر دونوں سے مختلف ہوجاتی ہے اسی طرح ادنیٰ درجہ کا کلام بھی جس میں ہماری روزمرہ کی بول چال شامل ہے شاعرانہ خصوصیات سے معرّیٰ ہوکر نظم ونثر سے بالکل الگ ہوجاتا ہے، آسمانی کتابوں میں قرآن مجید اور انسانی کلام میں گلستاں نثر کی اعلیٰ کتاب ہے اور اس میں بھی شاعری کے یہ تمام اجزاء یہاں تک کہ اس دور کی مبغوض ترین چیز یعنی مقفیٰ عبارتیں بھی بے ساختگی کے ساتھ موجود ہیں اور انہی مشترکہ شاعرانہ خصوصیات کی بناپر نظم ونثر بظاہر متحد ہوگئی ہیں چنانچہ روحِ تنقید میں لکھا ہے:-

"یہ ایک عام خیال ہے کہ نثر اور نظم اپنی خصوصیت اور ترتیبِ ظاہری کے لحاظ سے بالکل مختلف ہیں لیکن جب ان کے امتیازی مادہ کی تحقیق کرنے بیٹھے تو معلوم ہوتا ہے کہ نثر اور نظم کو مختلف النوع کہدینا زبانی تو آسان ہے لیکن اس کو ثابت کردکھانا دشوار ہے۔ موجودہ زمانہ میں تو نظم اور نثر میں بہت کم اختلاف باقی رہ گیا ہے ایک طرف تو غیر مقفیٰ یا نظم عاری لکھی جاتی ہے اور دوسری طرف نثری شاعری کے عنوان سے مضمون آرائی ہوتی ہے۔ جن کے مطالعہ کے بعد ہم تھوڑی دیر کیلئے انگشت بدنداں متحیر سے ہوجاتے ہیں کہ کس چیز کو مابہ الامتیاز قرار دیں"۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ باوجود اس شاعرانہ اشتراک کے نظم ونثر باہم مختلف ہیں اور دونوں میں نمایاں مابہ الامتیاز موجود ہے

جہاں تک لفظی حیثیت سے شاعرانہ عناصر کا تعلق ہے نظم و نثر دونوں میں کچھ بہت زیادہ فرق نہیں ہے لیکن معنوی حیثیت سے نثر نظم سے بالکل مختلف ہے۔ نظم میں جو مضامین بیان کئے جاتے ہیں وہ اور ہیں اور نثر جن مضامین پر مشتمل ہوتی ہے وہ اور ہیں، حسن و عشق کے مضامین، رندی و مستی کے خیالات، بوالہوسی و حسن پرستی کے جذبات غرض اس کے غیر اخلاقی مضامین زیادہ تر نظم کا معنوی عنصر ہیں، بعد کو اگرچہ نظم میں بھی ہر قسم کے اخلاقی، فلسفیانہ، تعلیمی، علمی اور صوفیانہ مضامین بھی شامل کر لئے گئے لیکن یہ امتزاج اس وقت ہوا جب نثر کی کتابوں نے ان مضامین کو شعراء سے روشناس کیا۔ اس کے برخلاف نثر میں جو مضامین بیان کئے جاتے وہ زیادہ تر اخلاقی، معاشرتی، تمدنی اور مذہبی حیثیت رکھتے ہیں۔ اخلاقی رواداری، محبت و ہمدردی، تبلیغ و دعوت، اطاعت و فرمانبرداری و صلۂ رحمی غرض اس قسم کے ہزاروں پاکیزہ خیالات کی اشاعت صرف نثر ہی کے ذریعہ سے کی جاتی ہے، عرب کی شاعری بہت سے رذائل اخلاق کا مجموعہ تھی لیکن وہی عرب جب خطبہ دینے کھڑے ہوتے تھے تو ان کے خطبات یکسر اخلاقی، قومی اور ملکی روایات و جذبات سے لبریز ہوتے تھے۔ قرآن حکیم انہی خطبات کے انداز پر نازل ہوا ہے کیونکہ وہ اول سے آخر تک اصلاحی اخلاقی، علمی، معاشرتی، تمدنی اور مذہبی مضامین کا پاکیزہ مجموعہ ہے اور یہ تمام مضامین شاعرانہ اسلوب عبارت میں بیان کئے گئے ہیں، اور انہی شاعرانہ اسلوب کی بنا پر اہل عرب قرآن مجید کو شعر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاعر کہتے تھے لیکن اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کو اس غلطی پر متنبہ کیا کہ نہ تو قرآن حکیم شعر ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاعر ہیں کیوں کہ قرآن حکیم میں جو مضامین بیان کئے گئے ہیں وہ شعر و شاعری کے مضامین سے بالکل مختلف ہیں۔

اب یہ تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نثر نام ہے غیر منظوم شاعرانہ طرز بیان کا جس کے ذریعہ سے علمی، اصلاحی اخلاقی، معاشرتی، مذہبی اور تمدنی مسائل بیان کئے جائیں اور اس ادیبانہ نثر کا مافوق الفطرت نمونہ قرآن حکیم ہے۔ اور انسانی کلام میں شیخ سعدیؒ کی گلستاں ہے اور اس تعریف کے رو سے ہماری روزمرہ کی خط و کتابت، عدالتوں کے عرضی دعوے، حکام کے فیصلے، وکیلوں کی جرحیں غرض دفتری کاروبار کے تمام کاغذات خواہ وہ ہندی میں ہوں یا اردو زبان میں نظم و نثر دونوں سے الگ ہیں جن میں ادب و انشا کا کوئی جزو شامل نہیں۔

اس وقت اردو زبان کے متعلق ہندوستان کی دو قوموں میں جو افسوس ناک نزاع قائم ہے وہ ایک سیاسی

اور ملکی نزاع ہے ادبی نزاع نہیں اس لئے ادبی حیثیت سے ہندی والوں میں اور اُردو والوں میں کوئی جھگڑا نہیں ہے اس لئے اگر سیاسیات سے الگ ہوکر (اگرچہ یہ کام مشکل ہے) صرف ادبی اصول پر ادبی انجمنیں قائم کی جائیں تو وہ ہندو مسلم اتحاد کا ایک عمدہ ذریعہ ہوسکتی ہے۔ میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ ہماری زبان میں منطق، فلسفہ، ریاضی، ہیئت، اقتصادیات، معاشیات، جغرافیہ اور اُقلیدس وغیرہ پر جو کتابیں لکھی یا ترجمہ کی جاتی ہیں، وہ بھی نثر کی کتابیں نہیں ہیں بلکہ یہ علمی کتابیں ہیں جو ہماری زبان کو علم و فنون سے تو بلاشبہ مالا مال کر رہی ہیں لیکن ہماری زبان کے ادبی حسن و جمال میں ان سے کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ ان تصریحات کے بعد بجا طور پر سوال کیا جا سکتا ہے کہ اس عظیم الشان ذخیرے کے حذف کر دینے کے بعد اُردو نثر کی ترقی کے لئے اور کون سا میدان رہ جاتا ہے اسلئے میں اجمالی طور پر موضوع متعین کر دیتا ہوں جن میں ایک نثّار یا ایک ادیب اور ایک انشا پرداز کا قلم اپنے جوہر دکھا سکتا ہے، میرے خیال میں نثر کا ایک موضوع تصوف و اخلاق ہے کیونکہ صوفیانہ اور اخلاقی مضامین اکثر لطیف تشبیہات و استعارات، قصص و حکایات اور نقل و روایات کے ضمن میں واضح اور شگفتہ الفاظ میں بیان کئے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض اخلاقی کتابیں مثلاً انوار سہیلی، اخلاق محسنی و اخلاق جلالی وغیرہ ادبی حیثیت سے فارسی کے قدیم نصاب تعلیم میں داخل تھیں اور خال خال کہیں اب بھی ہیں۔ عباسی دور میں عبداللہ بن المقفع نے ایک اخلاقی کتاب کلیلہ دمنہ کا جو ترجمہ عربی زبان میں کیا ہے وہ ادبی حیثیت سے اس کا بہترین کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعد موجودہ دور میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا اصلاحی، اخلاقی اور صوفیانہ لٹریچر اُردو زبان میں نثر کا نہایت پاکیزہ، مستند، صحیح اور اس کے ساتھ دلچسپ نمونہ ہے اس لئے وہ صرف درویش یا صوفی منش عالم و حکیم ہی نہ تھے بلکہ اُردو ادب کے بہت بڑے خدمت گذار بھی، ان کی سیکڑوں تصنیفات ہیں جن میں تفسیر بیان القرآن اُردو ادب کا غیر فانی شاہکار ہے۔

نثر کا دوسرا اہم مظہر تاریخ و سیر کی کتابیں ہیں اس سلسلہ میں مولانا شبلیؒ نے جو قابل قدر اپنی یادگار چھوڑی ہیں وہ اُردو زبان میں نثر کا قابل تقلید نمونہ ہے۔

نثر کا ایک پُرجوش مظہر سیاست ہے، دنیا میں جتنے بڑے سیاست داں پیدا ہوئے ہیں وہ صرف سیاسی آدمی نہ تھے بلکہ ان میں اکثر بڑے ادیب اور انشا پرداز بھی تھے، گاندھی جی، ڈاکٹر رادھا کرشنن اور جواہر لال نہرو کا

شمار بہترین ادیبوں میں کیا جا سکتا ہے اگرچہ یہ لوگ انگریزی میں لکھتے ہیں تاہم اُردو زبان میں ان کی تصنیفات یا مضامین کے جو ترجمے ہوئے ہیں وہ اُردو علم و ادب میں نثر کا بہترین نمونہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں، مولانا محمد علی مرحوم بھی اس سلسلہ کی اہم کڑی ہیں۔

اُردو لکھنے والوں میں مولانا ابوالکلام آزاد کا طرزِ تحریر اُردو زبان کا شاہکار ہے جس کی تقلید ناممکن ہے، مولانا محمد علی بھی اس راہ کے روشن چراغ ہیں۔

عام تذکروں، سطحی تاریخوں اور مضامین میں بھی نثر کی دلکشی و شگفتگی کا اظہار ہو سکتا ہے اور اس حیثیت سے اُردو زبان کے انشاء پردازوں میں مولانا محمد حسین آزاد اور نواب میر حسین خیال اس راہ کے پیش رو ہیں۔

تنقیدی لٹریچر بھی نثر کا ایک وسیع میدان ہے اور اس میدان میں مولانا الطاف حسین حالی کا نام سب سے مقدم اور سب سے نمایاں ہے، علامہ شبلی مرحوم بھی اس سلسلہ کی اہم کڑی ہیں، عہدِ حاضر میں نیاز فتحپوری، پروفیسر مسعود حسن رضوی، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ڈاکٹر عبدالودود، پروفیسر آل احمد سرور، پروفیسر سید احتشام حسین، پروفیسر کلیم الدین احمد اور پروفیسر فاروقی کے نام لئے جا سکتے ہیں۔

ظرافت اور طنز نگاری بھی نثر کا ایک اہم باب ہے اور اس باب میں مرزا فرحت اللہ بیگ، پروفیسر رشید احمد صدیقی اور پطرس کا نام سب سے نمایاں ہے۔ طنز نگار، زندگی کی تلخ حقیقتوں میں شہد کی شیرینی گھولتا ہے اور کبھی حیات کے خوش آئند لمحات میں زہر کی تاثیر پیدا کرتا ہے کبھی گرد و پیش کے واقعات کے جلوۂ بے رنگ کو حسین و رنگین بنانا ہی طنز و ظرافت کا کمال ہے، شاعری کے ذریعہ جس نے طنز کا ہلکا ہلکا نشتر لگایا ان میں اکبر الہ آبادی میرِ کارواں ہیں۔

مذہبی، اخلاقی، اصلاحی اور تعلیمی لٹریچر بھی نثر کے لئے بہت زیادہ موزوں ہیں اور ادبی حیثیت سے ان کا بہترین نمونہ سرسید مرحوم نے قائم کیا ہے انھوں نے بہت سے متکلمانہ اور فلسفیانہ مضامین کو بھی نثر سے رُوشناس کیا ہے ان کے بعد اس سلسلہ کے نمایاں صاحبِ فکر حضرات میں ڈپٹی نذیر احمد نواب محسن الملک اور ڈاکٹر ذاکر حسین کا نام لیا جا سکتا ہے۔

ناول اور افسانے نثر کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہیں اور محض اس بنا پر ان کی ادبی قدر و قیمت کو

گھٹانا کہ اخلاق پر ان کا اچھا اثر نہیں پڑتا صحیح نہیں ہے اولاً تو اس موقع پر ادبی بحث ہے۔ اخلاقی گفتگو نہیں دوسرے خود یہ مسئلہ بحث طلب ہے کہ اس خیال کی کوئی اصلیت بھی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو علمی اور فلسفیانہ حیثیت سے اس کے مخالف یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ناول یا افسانوں سے اخلاقی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں یا خود اخلاقی خرابیاں ناول اور افسانوں کے جنم دینے کا سبب ہیں۔ اور شاعری بالخصوص غزل کے متعلق بھی یہی بحث ہوتی ہے بہرحال ادبی حیثیت سے ناول اور افسانے نثر کا ایک عمدہ نمونہ ہیں اور حکیم محمد علی کے ناولوں سے زیادہ شگفتہ اور رنگین نثر کا نمونہ اُردو میں موجود نہیں ان کے بعد مولانا عبدالحلیم شرر اور منشی پریم چند کا نام لیا جا سکتا ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دوسرے ناولسٹوں اور افسانہ نگاروں کی خدمات قابلِ قدر نہیں۔ اس موقع پر بہترین مثال دینا ہے تمام ادیبوں اور انشاء پردازوں کی فہرست مرتب کرنا مقصود نہیں۔

نثر کا ایک مظہر ڈرامہ نگاری بھی ہے، اس میدان میں آغا حشر کاشمیری اور طالب بنارسی سب سے نمایاں ہیں۔

نثر کا ایک نہایت دلچسپ مظہر ادیبانہ خط و کتابت ہے اور اس حیثیت سے مرزا غالب کے خطوط نثر کا بہترین رتبہ ہیں۔ اس وقت مختلف لوگوں کے مکاتیب کے جو مجموعے شائع ہوئے ہیں وہ ایک بڑی ادبی خدمت ہے خصوصاً علامہ شبلی نعمانیؒ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور قاضی عبدالغفار مرحوم کے مکاتیب کا معیار علمی اور ادبی حیثیت سے بہت بلند ہے۔

نثر کا ایک نہایت روشن باب خطبے اور تقریریں ہیں اور اہلِ عرب کی نثر انہیں خطبات تک محدود تھی۔ بعد کو خلفاء و سلاطین اور دوسرے سیاسی لوگوں کے خطبات نثر کا بہترین نمونہ قرار دیئے گئے جو بعد کو عربی نثر کی بنیاد قرار پائے۔ ایک مفکر کا قول ہے کہ "انشاء پردازی کو خطابت ہی کے قالب میں ڈھالا گیا ہے اور انشاء پرداز لوگ خطیبوں ہی کے راستہ پر چلے ہیں" اس لئے اُردو زبان میں جو پُرجوش اور فصیح و بلیغ خطبات موجود ہیں ان کو جمع کرنا اور ان پر نثر کی بنیاد ڈالنا ایک بڑی ادبی خدمت ہے۔ سرسیدؒ۔ نواب محسن الملکؒ۔ مولانا شبلیؒ حضرت مولانا تھانویؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ۔ ڈپٹی نذیر احمدؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تقریریں اس میں بڑی رہنمائی کر سکتی ہیں نواب بہادر یار جنگ مرحوم، ڈاکٹر راد ھاکرشنن۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا احمد سعید دہلوی، اور ڈاکٹر ذاکر حسین اس سلسلہ کی اہم کڑی ہیں۔

ان تمام بحثوں کے بعد ایک نہایت دلچسپ بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ اخباروں کے اڈیٹر، ادیبوں اور انشاء پردازوں کی گروہ میں شامل ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں موافق و مخالف دونوں پہلو اختیار کئے گئے ہیں نتیجہ میں اخبار نویسوں کو ادیبوں اور انشاپردازوں کے قافلہ میں شامل کر لیا گیا ہے لیکن یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اخبار کا وہ حصہ جو خبروں، تاروں اور مراسلوں سے تعلق رکھتا ہے وہ تو سرے سے نظم و نثر کی صنف میں داخل نہیں اس لئے اگر کوئی اخبار نویس اس قسم کی خبروں کے جمع کر دینے سے (یہاں محتاط اور غیر محتاط خبروں سے ابھی بحث نہیں) اپنے آپ کو ادیب اور انشاپرداز سمجھتا ہے تو وہ حماقت میں مبتلا ہے، البتہ اخباروں میں جو سیاسی، تمدنی، تبلیغی، علمی، ادبی اور مذہبی مضامین لکھے جاتے ہیں ان کی بنا پر ایک اخبار نویس ادیبوں کی صف میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ عہد حاضر میں اس حیثیت سے، مولانا ابوالکلام آزاد، مدیر الہلال، مولانا محمد علی اڈیٹر کامریڈ اور ہمدرد۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی مدیر صدق، پنجاب کے مولانا ظفر علی خاں اڈیٹر زمیندار، مولینا عبدالمجید سالک، غلام رسول مہر اڈیٹر انقلاب۔ مولانا نصراللہ خاں عزیز اڈیٹر مدینہ اور اسی اخبار کے دوسرے اڈیٹروں نے اخبار نویسی کے معیار کو بہت بلند کر دیا ہے، اسی فہرست میں بہار کے مولانا عبدالباقی جامعی، مولانا حامد اللہ انصاری غازی، قاضی عبدالغفار اور بدر جلالی بھی ہیں۔ کچھ اور حضرات کے بھی نام لئے جا سکتے ہیں۔ نثر کے بعد خود نثار کی ذات ہمارے سامنے آتی ہے یعنی یہ کہ خود ادیب اور انشاپرداز کو کن اوصاف کا جامع ہونا چاہیے عربی علم و ادب کی کتابوں میں اس کے ایک ایک جزیہ پر بحثیں کی گئی ہیں۔ مثلاً ادیب کا قلم کیسا ہونا چاہیے؟ کاغذ کیسا ہونا چاہیے؟ روشنائی کیسی ہونی چاہیے؟ اس کا خط کیسا ہونا چاہیے اور بعض اوقات ان سے اہم نتائج بھی نکلتے ہیں، جو لوگ اخبار یا رسالہ نکالتے ہیں وہ بدخط مضمون نگاروں کے اس ادبی نقص سے بیحد پریشان ہوتے ہیں لیکن ان اوصاف میں سب سے اہم وصف یہ ہے کہ ادیب کو نہایت وسیع النظر اور ہر علم و فن کا ماہر ہونا چاہیے ایک ادیب نے لکھا ہے کہ ایک انشاپرداز کو ہر علم و فن سے تعلق رکھنا چاہیے یہاں تک کہ اس کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ عورتوں کے حلقۂ ماتم میں کیا کہہ کر رویا جاتا ہے۔ اور مشاطہ جب دلہن کو سنوارتی ہے تو کون سے گیت گاتی ہے۔ اور جب دلہن میکے سے سسرال کو جاتی ہے تو کون سے گیت گائے جاتے ہیں؟ لوک گیت یا عوامی نغمے کیا ہیں؟ بازاروں میں پکار پکار کر سودا بیچنے والے کیا کہتے ہیں؟ اخلاق و اتحاد کا درس دینے والوں کی آنکھ سوئی

اور میخانہ میں اتنی بھیڑ کیوں ہے؟ ایک ادیب یا ایک انشاء پرداز ان طریقوں سے جو سرمایۂ معلومات فراہم کرتا ہے وہ اس کا گم شدہ مال ہے جب اس کو وہ مل جاتا ہے تو وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق ہو جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ اہلِ حکمت، حکمت کی بات ایسے لوگوں سے بھی سیکھ سکتے ہیں جو خود حکیم نہیں ہوتے بقول حضرت سعدیؒ۔
"ادب از کہ آموختی گفت از بے ادباں" (مگر یہ راستہ ذرا کٹھن ہے) اس طرح ایک ادیب اور انشاء پرداز، انشاء پردازی کے نکتے ان لوگوں سے بھی سیکھ سکتا ہے جو خود انشاء پرداز نہیں ہوتے، مضامین تو بازاروں میں، ہوٹلوں میں، تفریح گاہوں میں پڑے ہوئے ملتے ہیں البتہ موزوں الفاظ میں ان کا ادا کرنا ایک ادیب اور شاعر کا کام ہے۔

بہر حال وسعتِ نظر اور جامعیت ایک انشاء پرداز کا اصلی وصف ہے، شعر تو ہر شخص کہہ سکتا ہے، لیکن نثر صرف علماء اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہی لکھ سکتے ہیں، موجودہ دَور کے انشاء پردازوں میں اس حیثیت سے مولانا شبلیؒ کا کوئی حریف نہیں، ، اس وقت دوسرے مصنف اور مضمون نگار بھی اس وصف میں ترقی کر رہے ہیں لیکن اصلی شاہراہ مولانا شبلی نعمانی" و مولانا جامی ہی نے قائم کی ہے اور دوسرے لوگ ان کی تقلید کر رہے ہیں اس وقت جن علماء نے تصنیف و تالیف کا مشغلہ اختیار کیا ہے وہ اس وصف کے لحاظ سے جدید تعلیم یافتہ گروہ سے گوئے سبقت لے گئے ہیں، اگرچہ جدید تعلیم یافتہ گروہ ان کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو انگریزی زبان کے علاوہ فرنچ اور جرمن بھی سیکھنی چاہئے، کچھ عرصہ ہوا انجمن ترقی اُردو کی طرف سے ایک عمدہ کتاب ایران بعہد ساسانیاں شائع ہوئی ہے جس کا ترجمہ ڈاکٹر محمد اقبال پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور نے فرنچ زبان سے اُردو میں کیا ہے۔

اس سے پہلے بھی دو عمدہ کتابیں یعنی تمدن عرب اور تمدن ہند کا ترجمہ فرنچ زبان سے کیا جا چکا ہے بعض کتابیں مثلاً روح الاجتماع اور انقلاب الامم اگرچہ عربی زبان سے اُردو میں ترجمہ کی گئی ہیں لیکن خود ان کے عربی ترجمے فرنچ زبان سے کئے گئے ہیں، انگریزی سے بھی بعض کتابیں مثلاً تاریخ اخلاق یورپ اور معرکۂ مذہب و سائنس اُردو میں نقل و ترجمہ کے ذریعہ سے آئی ہیں۔ میرے خیال میں جدید تعلیم یافتہ گروہ جو عربی فارسی نہیں جانتا اگر انگریزی زبان کی بہترین کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کرنا شروع کرے تو ہمارے ادبی ذخیرے میں بڑا قیمتی اضافہ ہو سکتا ہے، غلطی سے ترجمے کے کام کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی اور اس کو ایک حقیر علمی یا ادبی خدمت سمجھا جاتا ہے حالانکہ علمی اور ادبی حیثیت سے وہی کام سب سے زیادہ مشکل اور سب سے زیادہ اہم ہے ایک تو بچوں کو سبق پڑھانا اور دوسرے ترجمہ کرنا۔ اس لئے جو لوگ ترجمہ کو

اور رَیخیل تصنیفات سے کم رتبہ سمجھتے ہیں وہ خود فریبی و خود بینی میں مبتلا ہیں۔

اس وقت اُردو زبان میں تصنیفات و تالیفات کا جو ذخیرہ پیدا ہو رہا ہے اس کی ادبی، علمی، اخلاقی، معاشرتی اور مذہبی قدر و قیمت کیا ہے اور اس وقت ہمارے ادیبوں، انشا پردازوں اور شاعروں کا رجحان کس طرف ہے؟ یہ ایک طویل بحث ہے۔

اس انقلابی دَور میں توازنِ فکر و عمل ایک جنس کمیاب ہے اور ہندوستان و پاکستان اپنے ہر دائرۂ حیات میں انقلاب سے دوچار ہیں اور ادبی دائرہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں یہی وجہ ہے کہ "جدید شاعری" "ترقی پسند ادب" اور "مستقبلی رجحانات" کا ایک طوفان برپا ہے کہیں الحاد کو حریتِ خیال سے تعبیر کیا جا رہا ہے تو کہیں فحاشی کو آرٹ سے موسوم کیا جا رہا ہے۔ نوجوان فنِ سخن، اصولِ اخلاق، عقائدِ مذہبی، حسنِ معاشرت غرض کسی پابندی کو گوارا کرنے کیلئے تیار نہیں ایسے غیر یقینی ماحول میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اقدار کا یہ نشیب و فراز کہاں جا کر ٹھہرے گا۔ آیا اس بازار کے پرانے نرخ واپس آجائیں گے۔ یا نئے بھاؤ قائم ہوں گے یا افراط و تفریط کے درمیان کسی نقطۂ اعتدال پر آکر ٹھہریں گے۔

بہر حال لفظی اور معنوی حیثیت سے میں نے ادب کا جو معیار قائم کیا ہے اس کے مطابق ہر شخص اپنی فہم و بصیرت سے موجودہ سرمایۂ علم و ادب کا جائزہ لے سکتا ہے۔

ماہنامہ "فاران" کا عظیم الشان "توحید نمبر"

شائقین کے بیحد اصرار پر تیسری بار، آب و تاب کے ساتھ شائع ہو گیا۔

"توحید نمبر" اس صدی کی عظیم دینی اور علمی پیش کش ہے۔

مدیر "فاران" ماہر القادری کے بسیط و جامع "نقش اول" اور شعراء کرام کی ایمان افروز نظموں کے علاوہ مندرجہ ذیل علماء اور اربابِ فکر کے مقالے "توحید نمبر" کی زینت ہیں

• علامہ محمد البشیر الابراہیمی (رئیس جمعیۃ علماء الجزائر) • ڈاکٹر میر ولی الدین • مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی • مولانا عامر عثمانی • مولانا مفتی محمد شفیع • مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی • مولانا امین احسن اصلاحی • مولانا محمد اسماعیل سلفی • مولانا سید ابو الحسن علی ندوی • مولانا محمد اویس ندوی نگرامی • مولانا قاری محمد طیب • مولانا ابو منظور شیخ احمد • مولانا ظفر احمد عثمانی • مولانا عبد الحمید رحمانی • مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندوۃ العلماء • مولانا عبد الرحمان حماد • مولانا محمد ناظم ندوی • مولانا ابو محمد امام الدین رام نگری • مولانا مجیب اللہ ندوی • محترمہ عطیہ خلیل عرب

قیمت:- چار روپے پچاس پیسے (علاوہ محصول ڈاک)

مکتبہ "فاران" کیمبل اسٹریٹ کراچی سے طلب فرمائیے۔

ہندوستان میں :- مکتبہ "الحسنات" رام پور (یو۔پی)